ذروۃ سنام الجہاد

جہاد حریت ۱۸۵۷ء کے بعد

علماءِ حق

اور

اُن کے مجاہدانہ کارنامے

حصہ اوّل

مرتبہ

مولانا سید محمد میاں

ناظم جمعیۃ

الفاظ میں یہ مشورہ دیا۔

اس ملک میں ایسے لوگوں کی کوئی جماعت نہیں ہے جو مثل انگلستان کے بطور ملک معظم کی مخالف جماعت کے کام کرتی ہو۔ چونکہ انگریزوں کو یہ علم نہیں کہ ہندوستان میں ان کی نسبت اور ان کی پالیسی کی نسبت کیا خیالات ہیں۔ حاکم اور محکوم دونوں کے لئے یہ مفید معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیاست والے اصحاب سالانہ جمع ہوکر گورنمنٹ کو یہ بتائیں کہ اس کا انتظام کن امور میں ناقص ہے۔ اور اس کی حالت کس طرح بہتر کی جاسکتی ہے علاوہ یہ مشورہ دیتے وقت "لارڈ ڈفرن" نے مسٹر ہیوم سے کہہ دیا تھا کہ جب تک وہ وائسرائے ہیں ان کے اس مشورہ کا اظہار نہ کیا جائے۔ چنانچہ ان کے چلے جانے کے بعد یہ واقعہ روشنی میں آیا۔

لارڈ ڈفرن سے معاملہ طے کرنے کے بعد مسٹر ہیوم انگلستان گئے اور وہاں پارلیمنٹ کے ممبروں سے گفتگو کی۔ اور بہت سے لبرل اصحاب سے ہمدردی اور امداد کے وعدے لئے اور ہندوستان واپس آکر جملہ صوبوں سے جدا جدا ڈیلیگیٹ طلب کرکے کانگریس کا پہلا اجلاس دسمبر ۱۸۸۵ء میں بمقام بمبئی منعقد کیا۔ اس طرح جو لوگ شریک جلسہ ہوئے تھے وہ مختلف صوبوں اور مختلف سیاسی جماعتوں کے نمائندے تھے۔ اسی لئے مسٹر ہیوم نے یہ توقع ظاہر کی تھی کہ یہ مجلس آئندہ زمانہ میں ہندوستان کی پارلیمنٹ ہوگی۔

سب سے پہلی تجاویز | کانگریس کے سب سے پہلے اجلاس میں حسب ذیل

۱؎ اہل ہند کا قومی ارتقا ص۵ بحوالہ روشن مستقبل ص۳۴۳

تجاویز پاس کی گئیں۔

ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متضاد عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق و متحد کر کے ایک قوم بنانا۔

(۲) اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہو اس کی دماغی، اخلاقی اور سیاسی صلاحیتوں کو دوبارہ زندہ کرنا۔

(۳) ایسے حالات کی اصلاح و ترمیم کرانا جو ہندوستان کیلئے مضرت رساں اور غیر منصفانہ ہوں۔ اور اس طرح ہندوستان اور انگلستان کے درمیان اتحاد و یگانگت کو استوار کرنا۔

اُس وقت کانگریس کا تعلق حکومت سے اس قدر قریب تھا کہ مسٹر ہیوم نے وائسرائے سے یہ سفارش کی تھی کہ کوئی گورنر کانگریس کی صدارت کرے مگر وائسرائے نے کہا کہ گورنر کی موجودگی میں لوگ آزادی سے اظہار رائے نہ کر سکیں گے۔

سید طفیل احمد صاحب مصنف روشن مستقبل کا خیال ہے کہ اس زمانہ میں انگریزوں کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے ہندوستان کی ہمدرد اور اسکی ترقی کی خواہاں تھی مسٹر ہیوم اور لارڈ ڈفرن کا تعلق اسی جماعت سے تھا۔ یہ جماعت زیادہ دنوں نہ رہ سکی اور ہندوستان کی سیاست پر ایسے انگریزوں کا غلبہ ہو گیا جو اپنی ذاتی اغراض کے سوا ہندوستان کی بہبودی کو ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہ کرتے تھے۔

بہر حال سبب کچھ بھی ہو مگر نتیجہ یہ ہوا کہ اجلاس کانگریس کی پہلی تجاویز ہی کچھ

انگریزوں کی مرضی کے خلاف واقع ہوئیں ان میں سٹرائیک کا ذکر خیر زیادہ اہمیت رکھتا ہے جو علی گڑھ کالج کے پرنسپل اور سرسید کے مزاج پر حاوی تھے۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو روشن مستقبل)

اس کے بعد اگرچہ پچیس برس تک کانگریس پر رجعت پسندوں کا قبضہ رہا۔ اور ہندوستان کے جاہ طلب اور انگریز پرست افراد ہی عموماً کانگریس پر چھائے رہے مگر کانگریس کی تجویز ملی وحدت بنیادی طور پر انگریز کو ناگوار تھی کیونکہ برطانوی سامراج اور انگریزی شاہنشاہیت کی "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی اساسی پالیسی کے منافی تھی۔ چنانچہ شاہنشاہیت پرست انگریزوں نے کانگریس کی مخالفت کو اپنا فرض تصور کیا۔ مختلف صورتوں سے کانگریس کی مخالفت شروع کردی۔ اور انتہائی افسوس سے اس مکروہ حقیقت کی نقاب کشائی کرنی پڑتی ہے کہ ہندو مسلم تفرقہ اندازی کے لئے علی گڑھ کالج کو کام میں لایا گیا (تفصیلات ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ ناظرین روشن مستقبل میں ملاحظہ فرمائیں)

مختصر یہ کہ ہندو مسلم اتحاد و اتفاق ہی وہ نقطہ تھا جس پر کانگریس اور انگریز کا مقابلہ شروع ہو گیا۔

کانگریس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متفق و متحد کر کے ایک قوم بنانا۔ اور انگریزی حکومت کا بنیادی نقطۂ نظر یہ تھا۔

ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات

سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی نظم ونسق سے یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو۔ ؎۱

متحدہ قومیت کا مسئلہ آج بھی ہندو مسلمانوں کے نزدیک نہایت اجنبی اور وحشتناک چیز ہے۔ اور پھر اس مسئلہ کو سرسید صاحب نے خوب اچھالا کر مسلمانوں کو کانگریس سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب جدوجہد کی۔ اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی ظاہر کردیا جائے کہ اس سے پیشتر کہ سرسید صاحب کے خیالات پر مسٹر بیک کا قبضہ ہو خود سرسید صاحب کے خیالات کیا تھے۔

سرسید نے فرمایا تھا۔

قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے۔

یاد رکھو ہندو و مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے۔ ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی بھی جو اس ملک کے رہنے والے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں جب یہ سب ایک گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہیے ......

اب وہ زمانہ نہیں کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھی جائیں۔ ؎۲

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا

جس طرح آریہ قوم کے لوگ ہندو کہلائے جاتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی

؎۱ حکومت خود اختیاری صفحہ ۵۲ ؎۲ مجموعہ لیکچر سرسید صفحہ ۱۶۷ روشن مستقبل صفحہ ۲۷۱ ۱۲

ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جاتے ہیں۔ [۱]
سفر پنجاب میں ہندوؤں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ
آپ نے جو لفظ ہندو کا استعمال کیا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں
کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں بلکہ ہر شخص ہندوستان کا
رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے۔ پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ
مجھکو باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں اپنے تئیں ہندو نہیں
سمجھتے۔ [۲]

تحریک کانگریس اور حضرت امام ربانی۔

علمائے ملت کے رجحانات

کانگریس قائم ہوئی۔ اس کا نظریہ واضح ہوا۔ انگریزوں کی جانب سے
اس کی مخالفت شروع ہوئی۔ سرسید صاحب انگریزی پالیسی کا آلۂ کار بنے۔
مسلمانوں میں کانگریس کے خلاف ہیجان پیدا کیا گیا۔ ہندو سے نفرت
دلائی گئی۔ انگریزی وفاداری کا درس دیا گیا۔ اس کے وجود کو سایۂ رحمت
تصور کرنے کی فرمائش کی گئی۔ یہ تھا حضرت امام ربانی کا سیاسی ماحول۔
اس زمانہ کی سیاست کے پیش نظر مندرجہ ذیل سوالات تنقیح طلب ہیں۔
ان کے جوابات سے حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ کے سیاسی مسلک کی توضیح ہو جائے گی۔

---

[۱] سرسید کے آخری مضامین ص۱۲۶ بحوالہ روشن مستقبل ص۲۱۱ ۱۲

[۲] سفر نامہ پنجاب سرسید صفحہ ۱۳۹ بحوالہ روشن مستقبل ص۲۱۱ ۱۲

(۱) ہندوستان دار الحرب ہے یا دار الاسلام۔

(۲) کیا انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کی جد وجہد ضروری ہے

(۳) آزادی وطن کی کیا صورت ہو۔

(۴) جانشین ان ولی اللہ نے آزادی کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا۔

(۵) کیا وطنی مطالبات اور ملکی مفاد کے لئے ہندوؤں کے ساتھ کانگریس میں شرکت جائز ہے۔

(۶) یہ حضرات کانگریس کے ممبر کیوں نہیں رہے۔

ہندوستان کی حیثیت

نمبر ۱ کا جواب سو سال کامل گذر گئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس اللہ سرہ العزیز ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ صاف اور صریح الفاظ میں دے چکے تھے اور اس کو عملی جامہ پہنا چکے۔

تحریک حضرت سید احمد شہید کا تمام ہنگامہ ہو چکا تھا۔

ملت اسلامیہ کے ہزاروں عزیز نوجوان شہید ہوئے سینکڑوں خاندانوں کے چراغ گل ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء کا خونی معرکہ ہندوستان کے چپہ چپہ کو خون شہداء سے رنگین کر چکا۔ ہزاروں نوجوان توپوں کے لقمے بنا دیئے گئے۔ لاکھوں درخت خوفناک پھانسیوں کا نظارہ دیکھ چکے۔ یہ سب کچھ ہو چکا مگر انگریزی فتنہ اور یورپین دجل وفریب کا یہ اثر تھا کہ ہندوستان کے دار الحرب ہونے کے متعلق اب بھی شبہ تھا۔

چنانچہ علامہ سید انور شاہ صاحب کشمیری اور مولانا [illegible] صاحب کشمیری نے

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کے متعلق حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز سے استفتا کیا۔

جس کے جواب میں حضرت امام ربانی نے نہایت مبسوط اور مدلل فتویٰ فارسی زبان میں تحریر فرمایا جس کی اشاعت کانگریسی وزارتوں سے پہلے ناممکن رہی اور جیسے ہی (۱۹۳۷ء میں) کانگریس وزارت قائم ہوئی تو بازار کی چلنے والی چیز تصور کر کے اس کو ایسے بزرگ نے شائع فرمایا جن کا مسلک اس فتوے کے خلاف ہے اور پھر آخر میں شمس الہدیٰ پٹنہ کے سابق پرنسپل نے ایک صفحہ کا بے ربط فتویٰ لگا کر مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا۔

امام ربانی سات صفحہ کی مفصل اور مدلل تحریر کے بعد بطور نتیجہ فرماتے ہیں

اکنون حال ہند را خود غور فرمائند کہ اجرائے احکام کفار نصاری دریں جا چہ قوت و غلبہ ہست۔ اگر ادنیٰ کلکٹر حکم کرد کہ در مساجد جماعت ادا نکنند۔ ہیچ کس از امیر و غریب قدرت ندارد کہ ادائے آں نماید

اب ہندوستان کی حالت پر آپ خود غور فرمائیے کہ اس جگہ کفار نصاریٰ کے احکام کا اجرا کس قوت اور غلبہ کے ساتھ ہے اگر ایک ادنیٰ کلکٹر حکم کر دے کہ مسجدوں میں جماعت نہ ادا کریں تو کسی بھی امیر یا غریب کی مجال نہیں ہے کہ مسجد میں جماعت ادا کر سکے۔

چند سطور کے بعد فرماتے ہیں۔

بہر حال تسلط کفار بر ہند بحداں درجہ است کہ در ہیچ وقت کفار دار حرب ہم زیادہ ازیں نبود۔

بہر حال کفار کا تسلط ہندوستان پر اس درجہ ہے کہ کسی وقت بھی کفار کا کسی دارالحرب پر اس سے زیادہ غلبہ نہیں ہوتا۔ اور جو اسلامی

واداے مراسم اسلام از مسلمانان محض باجازت ایشان است و از مسلمان عاجز ترین رعایا۔ کسے نیست ہنود را ہم رسوخ ست مسلمانان را نیست۔

رسومات اور شعائر مسلمان یہاں ادا کرتے ہیں وہ صرف ان کی اجازت سے کوئی رعایا مسلمانوں سے زیادہ عاجز نہیں ہنود کو بھی کسی قدر رسوخ حاصل ہے مسلمانوں کو وہ بھی نہیں۔

جواب نمبر ۲۔ ہندوستان جبکہ مسلمانوں کا ملک تھا انگریزوں نے اسکو غصب کیا اور دار الحرب بنایا تو انگریزوں کو نکالنا لامحالہ فرض ہوا۔ جواب نمبر ا کے بعد اس پر بحث کی حاجت نہیں رہتی۔

جواب نمبر ۳ یعنی آزادئ وطن یا انگریزوں کے اخراج کی کیا صورت ہو بیشک یہ مسئلہ قابل غور تھا اور زمانہ کی رفتار نے اس کو بہت زیادہ پیچیدہ بنا دیا تھا صورت یہ ہے کہ جب تک ظاہری اسباب کی بنا پر اس درجہ قوت نہ ہو کہ فتح کی امید کی جا سکے۔ شرعی حیثیت سے اقدام کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

اٹھارویں صدی کے آغاز تک سرفروشوں کی کثرت سامان فتح ہوا کرتی تھی لیکن اب توپوں، رائفلوں وغیرہ جدید آلات حرب نے نوجوانوں اور سرفروشوں کے بجائے آلات حرب اور فراہمی سرمایہ پر فتح و شکست کو منحصر کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں ہندوستانیوں سے آلات حرب چھین کر ان کو فن سپہ گری سے قطعاً نابلد کر دیا گیا تھا۔

جواب نمبر ۴ لیکن ان تمام مایوس کن حالات کے ہوتے ہوئے ان حضرات نے ہمت نہ ہاری۔ ایک دوسرا نقشہ جنگ تیار کیا گیا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ تنظیم کرتے ہوئے دیگر ممالک سے امداد حاصل کی جائے اور ہندوستان

کو آزاد کرایا جائے۔ اس کا مفصل ذکر سیدنا شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے تذکرہ میں آئے گا (انشاء اللہ)

جواب نمبر ۵ پانچواں نمبر یہ کہ وطنی مطالبات اور ملکی ضروریات کے لئے کانگریس میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں۔

یہ وہ مسئلہ ہے جو ۱۸۸۵ء سے شروع ہوکر ۱۹۴۷ء تک طے نہیں ہوسکا اور جب تک انگریزی شہنشاہیت ہندوستان پر مسلط ہے ممکن نہیں کہ اس قسم کے مسئلے طے ہوسکیں۔

اس میں شک نہیں کہ کچھ علماء دیانتداری کے ساتھ عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں مگر اصولی غلطی یہ ہے کہ وہ ہندوستان کو یعنی دارالحرب کو دارالاسلام پر قیاس کیا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فرماتی ہے۔

ہجرت کے بعد تک مکہ معظمہ دارالحرب رہا۔ آپ کی مقدس زندگی کا بیشتر حصہ اسی دارالحرب میں گذرا۔ ہندوستان کی سیاست پر بحث کرتے وقت سیرت مقدسہ کا یہی حصہ ہمارے سامنے رہنا چاہیے۔

سیرت مقدسہ کی مبسوط اور مستند کتابوں پر عمیق نظر رکھنے والے حضرات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ قریش کی اندرونی رقابت نے کس طرح ظہور اسلام کے وقت قریش کو دو گروہ میں منقسم کر دیا تھا جن میں سے ایک گروہ جس کے لیڈر ابو طالب تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا۔ حالانکہ اس کے بہت سے افراد آخر تک مسلمان نہیں ہوئے کیا یہ غلط ہے کہ انگریز کے مقابلہ پر مسلمانان ہند کا ہندوؤں سے تعلق وہی نوعیت

رکھتا ہے جو مسلمانان مکہ کا قریش کے اس گروہ کے ساتھ تھا۔

کیا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی پناہ میں نہیں تھے۔ کیا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ کی پناہ نہیں لی۔ اور کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوطالب کی وفات کے بعد مطعم بن عدی کی پناہ میں نہیں آئے۔ کیا اس عرصہ کے لئے قرآن پاک کے یہ احکام نہ تھے۔

(الف) اتبع ما اوحی الیك من ربك لا اله الا هو واعرض عن المشركين۔	تم اس وحی کی پیروی کرو جو تم پر تمہارے رب کی جانب سے نازل کیجا رہی ہے اسکے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور مشرکین سے اعراض کرتے رہو

(ب) اعراض کی تفسیر دوسری آیت میں وارد ہوئی۔

دع اذاهم وتوكل على الله كفوا ايديكم واقيموا الصلوٰة لكم دينكم ولي دين	ان کی ایذارسانی سے قطع نظر کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز کی پابندی کرو۔ تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین۔

اور کیا یہ غلط ہے کہ دارالحرب کے لئے یہ تعلیمات آج تک بدستور قائم ہیں۔ منسوخ نہیں ہوئیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (حجۃ اللہ البالغہ) باب سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم تفسیر اتقان سیرت ابن ہشام۔ طبقات ابن سعد وغیرہ۔ مزید توضیحات کے لئے ملاحظہ ہو رسالہ[عہ] جواز شرکت کانگریس وازالہ شکوک۔

بہر حال دلائل کچھ بھی ہوں ہمیں اس وقت امام ربانیؒ کا فتوی پیش کرنا ہے۔ دلائل پر بحث کرنا موضوع کلام سے خارج ہے۔ مگر منا سب معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ

عہ یہ رسالہ ۱۰ ارکے ٹکٹ بھیجکر دفتر مرکزیہ جمعیۃ علماء ہند سے طلب کیجئے۔

کے حالات پر روشنی ڈالنے کے لئے استفتار کے الفاظ بھی نقل کر دیئے جائیں تقریباً ۱۸۸۹ء میں یعنی انڈین نیشنل کانگریس کے وجود میں آنے سے کچھ دنوں بعد علمار ہند کے سامنے مندرجہ ذیل سوالات پیش کئے گئے۔

(۱) ہنود کے ساتھ معاملات دنیوی میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں۔

(۲) ایک جماعت قومی مسمی بہ نیشنل کانگریس جو ہندو مسلمان وغیرہ سکنائے ہند کی واسطے رفع تکالیف و جلب منافع دنیوی چند سال سے قائم ہوئی ہے اور ان کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہی امور پر ہو جو کل جماعتہائے ہند پر مؤثر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت یا مذہب کے لئے مضر ہوں۔ یا خلاف سرکار ہوں تو ایسی جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟ لہ

(۳) سید احمد خاں نیچری نے جو ایک جماعت (ایسوسی ایشن) قائم کی ہے اور لوگوں کو بذریعہ اعلان مطبوعہ ۸ اگست ۱۸۸۸ء یوں ترغیب دے رہا ہے کہ میری جماعت میں بڑے بڑے ہندو ذی وجاہت مثل راجہ بنارس وغیرہ جو کانگریس کے برخلاف ہیں شامل ہیں۔ ہر شخص جو داخل ہو پانچ پانچ روپیہ چندہ ماہواری میرے نام علیگڈھ یا بنارس میں راجہ صاحب کے نام روانہ کیا کرے وغیرہ وغیرہ اور اس کی مدد کے واسطے جا بجا ایسوسی ایشن انجمن اسلامیہ کے نام سے لوگوں نے شہروں میں قائم کی ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے برخلاف معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ طرح طرح کا فساد لہ اور فتنہ

لہ ملاحظہ ہو رسالہ نصرۃ الابرار صفحہ ۱۳۰ مطبوعہ مطبع صحافی لاہور ایجنس گنج۔ یہ رسالہ اس استفتار اور اس کے جوابات کا مجموعہ ہے جو اسی زمانہ میں طبع ہوا تھا ۱۲

لہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلم لیگ کا موروثی ہنر اور اس کی جدی خصلت ہے ۱۲

برپا کرکے اس کو جبرًا لانا چاہتے ہیں۔ یا ایسی جماعت میں مسلمانوں کو شامل ہونا اور ان کی مدد کرنا شرعًا درست ہے یا نہیں۔ اور نیچری لوگ بدخواہِ اسلام ہیں یا نہیں۔

حضرتِ امام ربانی قدس اللہ سرہٗ العزیز تینوں سوالوں کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اگر ہندو مسلمان باہم شرکت بیع و شراء و تجارت میں کر لیویں اس طرح کہ اس میں کوئی نقصان دین میں۔ یا خلافِ شرع معاملہ کرنا اور سود اور بیع فاسد کا قصہ پیش نہ آوے جائز ہے اور مباح ہے۔ مگر سید احمد سے تعلق رکھنا نہ چاہئے اگرچہ وہ خیر خواہی قومی کا نام لیتا ہے یا واقع میں خیر خواہ ہو۔ مگر اس کی شرکت مآل کار اسلام اور مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے۔ ایسا میٹھا زہر پلاتا ہے کہ آدمی ہرگز نہیں بچتا۔ پس اس کے شریک مت ہونا۔ اور ہندو سے شرکت معاملہ کر لینا۔ اور اگر ہندو کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی کوئی خلافِ شرع امر لازم آتا ہو یا مسلمانوں کی ذلت یا اہانت اور ہندو کی ترقی ہوتی ہو۔ وہ کام بھی حرام ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا۔ اسی طرح پر ہے اور بس۔ ص ۱۹ نصرۃ الابرار

۲۷ محرم سنہ ۱۳۰۶ھ

جوابِ نمبر ۶ یہ حضرات کانگریس کے ممبر کیوں نہیں رہے۔

اس کا جواب صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ حضرت امام ربانی اور اسی طرح دیگر حضرات انتہاپسند تھے۔ ان کا مطمحِ نظر کامل حریت تھا۔ اگرچہ ملک اور قوم کے عام مفاد کے لئے آئینی جدوجہد کو بھی پسند فرماتے ہوئے شرکت کانگریس کے جواز کا فتویٰ دیتے رہے۔ مگر چونکہ کانگریس کا نصب العین اس وقت صرف یہ تھا کہ ہندوستان اور انگلستان کے درمیان اتحاد و یگانگت ہو۔ اس لئے اپنے

واسطے شرکت کانگریس کو منظور نہیں فرمایا اور حریت کاملہ کے لئے وہ راہِ عمل اختیار کی جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا (انشاء اللہ)

حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز کے متعلق سلسلۂ کلام کو ختم کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کی وضاحت کردی جائے۔ جو حضرت موصوف کے مذکورہ بالا فتوے کے لئے پس منظر یا نتائج کی حیثیت رکھتے ہیں۔

(۱) ۱۸۵۷ء میں جس طرح حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنے شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی زیر قیادت۔ جہاد آزادی میں حصہ لیا تھا۔ اسی طرح لدھیانہ کے اس خاندان نے بھی اس جہاد میں بہت کافی حصہ لیا تھا جس کے ایک رکن مولانا عبدالعزیز صاحب نقشبندی مجددی رحمتہ اللہ تھے اور آج مولانا حبیب الرحمٰن صاحب لدھیانوی اور مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی اسی حریت پسند خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔

۱۸۸۵ء میں جب انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوئی تو مولانا موصوف نے اسکی حمایت کی۔ سرسید گروپ نے ان کے برخلاف ایک طوفان اٹھادیا۔ اور ایک فرضی استفتاء مرتب کر کے علماء سے اس کا جواب حاصل کیا۔ حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز سے اس پر دستخط کرائے گئے اور پھر یہ فتوے مولانا عبدالعزیز صاحب پر چسپاں کر کے پروپیگنڈا کیا گیا کہ مولانا عبدالعزیز صاحب ہندوؤں سے مل گئے ایمان فروش ہیں۔ فاسق ہیں وغیرہ وغیرہ

مولانا عبدالعزیز صاحب نے یہ تماشہ دیکھا تو حیران رہ گئے۔ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو حقیقت حال سے مطلع کیا اور پھر خود ایک سوال مرتب کیا۔ واقعہ کے انکشاف کے

بعد حضرت گنگوہی اور تمام حضرات نے (جن کے اسماء گرام مولانا عبد العزیز صاحب کے برخلاف قابل ملامت اور نفرت انگیز طریقہ سے استعمال کئے گئے تھے) معذرت کی۔ چنانچہ حضرت گنگوہی رح کے الفاظ معذرت یہ ہیں۔

"امداً و مصلیاً۔ بندہ رشید احمد گنگوہی عرض کرتا ہے کہ لدھیانہ سے ایک استفتاء اس مضمون کا آیا تھا کہ جو شخص ہنود کی اعانت اور مسلمانوں کو ضرر دیوے وہ کیسا ہے۔ بندہ نے جواب لکھا تھا کہ "وہ فاسق ہے" یہ خلاصہ سوال وجواب کا ہے اب وہ فتوے بندہ کا طبع ہوا۔ اور اس کے اول تین صفحے لکھے دیکھے جس سے معلوم ہوا کہ وہ سوال مولوی عبد العزیز صاحب لدھیانوی کی نسبت ہے اور وہ وجوہ اعانت بالتصریح لکھے۔ لہذا بندہ راست راست کہکر مسلمانوں کو مطلع کرتا ہے اور اپنا ذمہ بری کرتا ہے کہ مولوی عبد العزیز صاحب ہرگز ہرگز مصداق اس فتوے کے نہیں ہیں اور جو امور ان کی طرف اس تحریر میں منسوب ہیں۔ ان کی وجہ سے بندہ ہرگز ان کو محل اس جواب فتوے کا نہیں جانتا۔ اگر سائل اس تفصیل کو درج سوال کرتا تو بندہ ہرگز یہ جواب نہ لکھتا۔ جو کچھ اس تحریر میں درج ہے۔ اس کی تاویل صحیح ہے۔ اگر واقعی ان سے یہ امور ایسے ہی سرزد ہوئے ہیں۔ اور اس عبارت میں جو گستاخ کلام نسبت مولوی صاحب کے ہے وہ سخت نازیبا ہے۔ بندہ کے نزدیک علماء کی شان میں ایسا کلام موجب ہتک اسلام و اثم ہے۔ پس جو صاحب اس بندہ کو صادق جانتے ہیں اور جو بندہ کی تحریر کی وجہ سے مولوی عبد العزیز صاحب سے بدعقیدہ ہوئے ہیں میں ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ ہرگز مصداق اس فتوے بندہ کے نہیں۔ ان سے معذرت کرنا اور معافی چاہنا اور اتحاد محبت کرنا لازم ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ کتبہ الراجی رحمۃ اللہ رشید احمد گنگوہی عفی اللہ تعالیٰ عنہ[1]

---

[1] نصرۃ الابرار شائع کردہ حافظ خاق احمد صاحب لدھیانوی ۱۳۰۵ھ صفحہ ۹